حرفِ دُعا یاد نہیں

ساغرصدیقی

ہے دُعا یاد مگر حرفِ دُعا یاد نہیں
میرے نغمات کو اندازِ نوا یاد نہیں

زندگی جبرِ مسلسل کی طرح کاٹی ہے
جانے کس جرم کی پائی ہے سزا یاد نہیں

آؤ اک سجدہ کریں عالمِ مدہوشی میں
لوگ کہتے ہیں کہ ساغر کو خدا یاد نہیں

انتخاب:- سجاد سمیع

یا اللہ تیرا شکر ہے
اردو کتب خانہ
URDUKUTABKHANAPK.BLOGSPOT

حرفِ دُعا یاد نہیں

ساغر صدیقی

انتخاب

سجاد سمیع

قلم دوست پبلی کیشنز

شاپ نمبر 7۔ فورتھ فلور مسلم سنٹر چیمبر جی روڈ اُردو بازار لاہور

cell: 0321-4031423 / 0334-4253489

E-mail: Sajjad_sami22@yahoo.com

کتاب علم و دانش کا واحد راستہ ہے

محبتیں، راحتیں، عظمتیں

چیف ایگزیکٹو سجاد سمیع

تزئین و اہتمام ملک مظاہر عباس کھوکھر

پروڈکشن منیجر بلال ذوالفقار

مارکیٹنگ عبداللہ ذوالفقار

قیمت: -/120

اسٹاکسٹ

روبی پبلی کیشنز

راجپوت مارکیٹ سیکنڈ فلور اُردو بازار لاہور 042-7243301

بہت ہی پیارے دوست

ملک مظاہر عباس کھوکھر کی بے پناہ محبتوں کی نذر

سدا خوش رہو تم سدا مسکراؤ
یہی اِک دعا ہم سدا مانگتے ہیں

(سجاد سمیعؔ)

یاد رکھنا ہماری تربت کو
قرض ہے تم پہ چار پھولوں کا
(ساغرؔ صدیقی)

حسنِ ترتیب

☆—☆—☆—☆

نعت

بزمِ کونین سجانے کے لیے آپؐ آئے
شمعِ توحید جلانے کے لیے آپؐ آئے

ایک پیغام جو ہر دِل میں اُجالا کر دے
ساری دُنیا کو سنانے کے لیے آپؐ آئے

ایک مدت سے بھٹکتے ہوئے انسانوں کو
ایک مرکز پہ بُلانے کے لیے آپؐ آئے

ناخُدا بن کے اُبلتے ہوئے طوفانوں میں
کشتیاں پار لگانے کے لیے آپؐ آئے

قافلہ والے بھٹک جائیں نہ منزل سے کہیں
دُور تک راہ دکھانے کے لیے آپؐ آئے

چشمِ بیدار کو اسرارِ خدائی بخشے
سونے والوں کو جگانے کے لیے آپؐ آئے

O

فضائے نیم شبی کہہ رہی ہے سب اچّھا
ہماری بادہ کشی کہہ رہی ہے سب اچّھا

نہ اعتبارِ محبت نہ اختیارِ وفا
جنوں کی تیز روی کہہ رہی ہے سب اچّھا

دیارِ ماہ میں تعمیر میکدے ہوں گے
کہ دامنوں کی تہی کہہ رہی ہے سب اچّھا

قفس میں یوں بھی تسلی بہار نے دی ہے
چٹک کے جیسے کلی کہہ رہی ہے سب اچّھا

وہ آشنائے حقیقت نہیں تو کیا غم ہے
حدیثِ نامہ بری کہہ رہی ہے سب اچّھا

تڑپ تڑپ کے شب ہجر کاٹنے والو!
نئی سحر کی گھڑی کہہ رہی ہے سب اچّھا

حیات و موت کی تفریق کیا کریں ساغرؔ
ہماری شانِ خودی کہہ رہی ہے سب اچّھا

○

تیری نظر کا رنگ بہانوں نے لے لیا
افسردگی کا رُوپ ترانوں نے لے لیا

جن کو بھری بہار میں غنچے نہ کہہ سکے
وہ واقعہ بھی مرے فسانوں نے لے لیا

شاید ملے گا قریۂ مہتاب میں سکوں
اہلِ خرد کو ایسے گمانوں نے لے لیا

یزداں سے بچ رہا تھا جلالت کا ایک لفظ
اُس کو حرم کے شوخ بیانوں نے لے لیا

تیری ادا سے ہو نہ سکا جس کا فیصلہ
وہ زندگی کا راز نشانوں نے لے لیا

افسانۂ حیات کی تکمیل ہو گئی!
اپنوں نے لے لیا کہ بیگانوں نے لے لیا

بھولی نہیں وہ قوسِ قزح کی سی صورتیں
ساغر تمہیں تو مست دھیانوں نے لے لیا

اے حُسنِ لالہ فام ذرا آنکھ تو ملا!
خالی پڑے ہیں جام ذرا آنکھ تو مِلا

کہتے ہیں آنکھ آنکھ سے ملنا ہے بندگی
دُنیا کے چھوڑ کام ذرا آنکھ تو مِلا

کیا وہ نہ آج آئیں گے تاروں کے ساتھ ساتھ
تنہائیوں کی شام ذرا آنکھ تو مِلا!

یہ جام یہ سُبو یہ تصوّر کی چاندنی
ساقی کہاں مُدام ذرا آنکھ تو مِلا!

ساقی مجھے ابھی چاہیے اک جامِ آرزو!
کتنے لگیں دام ذرا آنکھ تو مِلا!

پامال ہو نہ جائے ستاروں کی آبرو!
اے میرے خوش خرام ذرا آنکھ تو مِلا!

ہیں راہِ کہکشاں میں ازل سے کھڑے ہوئے
ساغرؔ تیرے غلام ذرا آنکھ تو مِلا!

○

میں تلخیٔ حیات سے گھبرا کے پی گیا
غم کی سیاہ رات سے گھبرا کے پی گیا

اتنی دقیق شے کوئی کیسے سمجھ سکے
یزداں کے واقعات سے گھبرا کے پی گیا

چھلکے ہوئے تھے جام، پریشاں تھی زلفِ یار
کچھ ایسے حادثات سے گھبرا کے پی گیا

میں آدمی ہوں کوئی فرشتہ نہیں حضور!
میں آج اپنی ذات سے گھبرا کے پی گیا

دُنیائے حادثات ہے اک درد ناک گیت
دُنیا کے حادثات سے گھبرا کے پی گیا

کانٹے تو خیر کانٹے ہیں ان سے گلہ ہی کیا
پھولوں کی واردات سے گھبرا کے پی گیا

ساغر وہ کہہ رہے تھے کہ پی لیجئے حضور!
اُن کی گزارشات سے گھبرا کے پی گیا

O

جام پی کر جو دُور تک دیکھا
چشمِ ہستی نے طُور تک دیکھا

یہ شرف آئینے کو حاصل ہے
آئینے نے حضور تک دیکھا

چشمِ دیوانہ وار جس کو ملی
اُس نے حدِّ شعُور تک دیکھا

اُن کی زُلفوں کا رنگ پایا ہے
جب بھی تخلیقِ نُور تک دیکھا!

عجز کی روشنی میں اے ساغؔر
ہم نے بامِ عرُوج تک دیکھا

O

آج روٹھے ہوئے ساجن کو بہت یاد کیا
اپنے اُجڑے ہوئے گلشن کو بہت یاد کیا

جب کبھی گردشِ تقدیر نے گھیرا ہے ہمیں
گیسُوئے یار کی اُلجھن کو بہت یاد کیا

شمع کی جوت پہ جلتے ہوئے پروانوں نے
اِک ترے شعلۂ امن کو بہت یاد کیا

جس کے ماتھے پہ نئی صبح کا جُھومر ہو گا
ہم نے اُس وقت کی دُلہن کو بہت یاد کیا

آج ٹوٹے ہوئے سپنوں کی بہت یاد آئی
آج بیتے ہوئے ساون کو بہت یاد کیا

ہم سرِ طور بھی مایُوسِ تجلّی ہی رہے
اُس درِ یار کی چلمن کو بہت یاد کیا

مطمئن ہو ہی گئے دام و قفس میں ساغر
ہم اسیروں نے نشیمن کو بہت یاد کیا

O

خون بادل سے برستے دیکھا
پھول کو شاخ پہ ڈستے دیکھا

کتنے بیدار خیالوں کو یہاں
دامِ اخلاص میں پھنستے دیکھا

دل کا گلشن کہ بیابان ہی رہا
ایسا اُجڑا کہ نہ بستے دیکھا

اب کہاں اشکِ ندامت ساغرؔ
آستینوں کو ترستے دیکھا

○

میں کہ آشفتہ و رُسوا سرِ بازار ہوا
چاکِ داماں کا تماشہ سرِ بازار ہوا

تیری عصمت کی تجارت پسِ دیوار سہی
میری تقدیر کا سودا سرِ بازار ہوا

پھر کوئی اہلِ جنوں دار پہ چڑھ جائے گا
پھر ترے حُسن کا چرچا سرِ بازار ہوا

ہم نے رکھا ہے اُسے دل کے مکاں میں برسوں
جو کبھی ہم سے شناسا سرِ بازار ہوا

مرحلے دید کے دشوار تھے لیکن ساغرؔ
منزلِ طور کا جلوہ سرِ بازار ہوا

O

اے دل بے قرار چُپ ہو جا
جا چکی ہے بہار چُپ ہو جا

اب نہ آئیں گے روٹھنے والے
دیدۂ اشکبار چُپ ہو جا

جا چکا کاروان لالہ و گل!
اُڑ رہا ہے غبار چُپ ہو جا

چُھوٹ جاتی ہے پُھول سے خوشبو
روٹھ جاتے ہیں یار چُپ ہو جا!

ہم فقیروں کا اس زمانے میں
کون ہے غمگسار چُپ ہو جا

حادثوں کی نہ آنکھ کُھل جائے
حسرتِ سوگوار چُپ ہو جا

گیت کی ضرب سے بھی اے ساغرؔ
ٹوٹ جاتے ہیں تار چُپ ہو جا

O

اس درجہ عشق موجبِ رسوائی بن گیا
میں آپ اپنے گھر کا تماشائی بن گیا

دیر و حرم کی راہ سے دل بچ گیا مگر
تیری گلی کے موڑ پہ سودائی بن گیا

بزمِ وفا میں آپ سے اک پل کا سامنا
یاد آ گیا تو عہدِ شناسائی بن گیا

بے ساختہ بکھر گئی جلووں کی کائنات
آئینہ ٹوٹ کر تیری انگڑائی بن گیا

دیکھی جو رقص کرتی ہوئی موجِ زندگی
میرا خیال وقت کی شہنائی بن گیا

○

عظمتِ زندگی کو بیچ دیا
ہم نے اپنی خوشی کو بیچ دیا

چشمِ ساقی کے اِک اشارہ پر
عُمر کی تشنگی کو بیچ دیا!

رندِ جام و سبُو پہ ہنستے ہیں
شیخ نے بندگی کو بیچ دیا

راہ گزاروں پہ لُٹ گئی رادھا
شام نے بانسری کو بیچ دِیا

جگمگاتے ہیں وحشتوں کے دَیار
عقل نے آدمی کو بیچ دیا

لب و رخسار کے عوض ہم نے
سطوتِ خسُروی کو بیچ دیا

عشقِ بہروپیا ہے اے ساغرؔ
رُوپ نے سادگی کو بیچ دیا

O

ہر مرحلۂ شوق سے لہرا کے گزر جا
آثارِ تلاطم ہوں تو بل کھا کے گزر جا

بہکی ہوئی مخمور گھٹاؤں کی صدا سُن
فردوس کی تدبیر کو بہلا کے گزر جا

مایوس ہیں احساس کی اُلجھی ہوئی راہیں
پائل دِلِ مجبور کی چھنکا کے گزر جا

یزدان و اہرمن کی حکایات کے بدلے
انساں کی روایات کو دُہرا کے گزر جا

کہتی ہیں تجھے میکدۂ وقت کی راہیں
بگڑی ہوئی تقدیر کو سمجھا کے گزر جا

بُجھتی ہی نہیں تشنگیٔ دل کسی صُورت
اے ابرِ کرم آگ ہی برسا کے گزر جا

کانٹے جو لگیں ہاتھ تو کچھ غم نہیں ساغر
کلیوں کو ہر اک گام پہ بکھرا کے گزر جا

O

نالہ حُدودِ کُوئے رسا سے گزر گیا
اب دردِ دل علاج و دوا سے گزر گیا

اُن کا خیال بن گئیں سینے کی دھڑکنیں
نغمہ مقامِ صورت و صدا سے گزر گیا

اعجاز بیخودی ہے کہ یہ حُسنِ بندگی
اِک بُت کی جُستجو میں خُدا سے گزر گیا

انصافِ سیم و زر کی تجلّی سے گزر گیا
ہر جرم احتیاجِ سزا سے گزر گیا

اُلجھی تھی عقل و ہوش میں ساغرؔ رہِ حیات
میں لے کے تیرا نام فنا سے گزر گیا

O

دِل ملا اور غم شناس مِلا
پھول کو آگ کا لباس مِلا

ہر شناور بھنور میں ڈوبا تھا
جو ستارہ ملا اُداس مِلا

میکدے کے سوا، ہمارا پتہ
اُن کی زلفوں کے آس پاس مِلا

مجھ کو تقدیر کی گزر گہ میں
صرف تدبیر کا ہراس مِلا

آبِ حیواں کی دُھوم تھی ساغر
سادہ پانی کا اک گلاس مِلا

O

محفلیں لُٹ گئیں، جذبات نے دم توڑ دیا
ساز خاموش ہیں، نغمات نے دم توڑ دیا

ہر مسرّت غمِ دیروزہ کا عنوان بنی
وقت کی گود میں لمحات نے دم توڑ دیا

اَن گنت محفلیں محرومِ چراغاں ہیں ابھی
کون کہتا ہے کہ ظلمات نے دم توڑ دیا

آج پھر بُجھ گئے جل جل کے اُمیدوں کے چراغ
آج پھر تاروں بھری رات نے دم توڑ دیا

جن سے افسانۂ ہستی میں تسلسل تھا کبھی
ان محبت کی روایات نے دم توڑ دیا

جھلملاتے ہوئے اشکوں کی لڑی ٹوٹ گئی
جگمگاتی ہوئی برسات نے دم توڑ دیا

ہائے آدابِ محبت کے تقاضے ساغر
لب ہلے اور شکایات نے دم توڑ دیا

O

کوئی نالہ یہاں رسا نہ ہُوا
اشک بھی حرفِ مدعا نہ ہُوا

تلخئ درد ہی مقدّر تھی
جامِ عشرت ہمیں عطا نہ ہُوا

ماہتابی نگاہ والوں سے
دِل کے داغوں کا سامنا نہ ہُوا

آپ رسمِ جفا کے قائل ہوں
میں اسیرِ غمِ وفا نہ ہُوا

وہ شہنشہ نہیں بھکاری ہے
جو فقیروں کا آسرا نہ ہُوا

راہزن عقل ، ہوش دیوانہ
عشق میں کوئی رہنما نہ ہُوا

ڈوبنے کا خیال تھا ساغر
ہائے ساحل پہ ناخدا نہ ہُوا

O

اک مدت ہوئی اِک زمانہ ہوا
خاک گلشن میں جب آشیانہ ہوا

زُلفِ برہم کی جب سے شناسا ہوئی !
زندگی کا چلن مجرمانہ ہوا

داغِ دِل کے شہنشہ کے سکّے نہیں
دل کا مفلس کدہ کب خزانہ ہوا

راہبر نے پلٹ کر نہ دیکھا کبھی
راہرو راستے کا نِشانہ ہوا

ہم جہاں بھی گئے ذوقِ سجدہ لئے
ہر جگہ آپ کا آستانہ ہوا

دیکھ مضراب سے خون ٹپکنے لگا
ساز کا تارِ مرگِ ترانہ ہوا

پہلے ہوتی تھی خوئے وفا پروری
اب تو ساغر یہ قصہ پرانا ہوا

O

کچھ نہیں مدّعا فقیروں کا
درد ہے لادوا فقیروں کا

اور تو کچھ نہیں صدا بابا
ہو بھلا کر بھلا فقیروں کا

اپنی تنہائیوں پہ ہنستے ہیں
کون ہے آشنا فقیروں کا

منزلوں کی خبر خدا جانے
عشق ہے رہنما فقیروں کا

ایک مدت سے خالی خالی ہے
کاسۂ اِلتجا فقیروں کا

میکدے کی حدود میں ہوں گے
کیا بتائیں پتہ فقیروں کا

زلفِ جاناں کی نکہتیں ساغرؔ
بن گئیں آسرا فقیروں کا

O

یقیں کر کہ یہ کہنہ نظام بدلے گا
مرا شعور مزاجِ عوام بدلے گا

یہ کہہ رہی ہیں فضائیں بہارِ ہستی کی
نیا طریقِ قفس اور دام بدلے گا

نفس نفس میں شرارے سے کروٹیں لیں گے
دلوں میں جذبۂ محشر خرام بدلے گا

مروّتوں کے جنازے اٹھائے جائیں گے
سُنا ہے ذوقِ سلام و پیام بدلے گا

دل و نظر کو عطا ہوں گی مستیاں ساغر
یہ بزم ساقی یہ بادہ یہ جام بدلے گا

کلیوں کی مہک ہوتا تاروں کی ضیا ہوتا
میں بھی ترے گلشن میں پھولوں کا خدا ہوتا

ہر چیز زمانے کی آئینۂ دل ہوتی
خاموشیِ محبت کا اتنا تو صلہ ہوتا

تم حالِ پریشاں کی پرسش کے لئے آتے
صحرائے تمنا میں میلہ سا لگا ہوتا

ہر گام پہ کام آتے زلفوں کے تری سائے
یہ قافلۂ ہستی بے راہنما ہوتا!

احساس کی ڈالی پہ اک پھول مہکتا ہے
زلفوں کے لئے تم نے اک روز چنا ہوتا

O

میں التفاتِ یار کا قائل نہیں ہُوں دوست
سونے کے نرم تار کا قائل نہیں ہوں دوست

مجھ کو خزاں کی ایک لٹی رات سے ہے پیار
میں رونقِ بہار کا قائل نہیں ہوں دوست

ہر شام وصل ہو نئی تمہیدِ دلبری
اتنا بھی انتظار کا قائل نہیں ہوں دوست

دو چار دن کی بات نہیں زندگی کی بات
دو چار دن کے پیار کا قائل نہیں ہوں دوست

جس کی جھلک سے ماند ہو اشکوں کی آبرو
اس موتیوں کے ہار کا قائل نہیں ہوں دوست

لایا ہُوں بے حساب گناہوں کی ایک فرد
مجبور ہوں شمار کا قائل نہیں ہوں دوست

ساغرؔ بقدرِ ظرف لٹاتا ہوں نقدِ ہوش
ساقی سے میں اُدھار کا قائل نہیں ہوں دوست

O

سُوکھ گئے پت جھڑ میں پات
ٹُوٹ گئے پھُولوں کے ہات

کتنا نازک ہے یہ دور
اشکِ گراں، غم کی بُہتات

دشتِ الم کی ویرانی میں
کاٹی ہے برکھا کی رات

ہم دِیوانے، ہم آوارہ
چل نہ سکو گے اپنے ساتھ

ساغر مے خانے میں ہو گا
چھوڑ بھی دو پگلے کی بات

O

زندگی رقص میں ہے جُھومتی ناگن کی طرح
دل کے ارمان ہیں بجتی ہوئی جھانجن کی طرح

زُلف رُخسار پہ بَل کھاتی ہوئی کیا کہنا
اِک گھٹا چھائی ہوئی چیت میں ساون کی طرح

بحرِ امید میں جب کوئی سہارا نہ ملا!
میں نے ہر موج کو دیکھا ترے دامن کی طرح

جس طرف دیکھیے ٹوٹے ہوئے پیمانے ہیں
اب تو نغمات بھی ہیں نالہ و شیون کی طرح

بارہا گردشِ تقدیر کا عالم دیکھا
گیسوئے یار کی بے نام سی اُلجھن کی طرح

انقلاباتِ بہاراں میں قفس بھی ساغرؔ
میں نے جلتے ہوئے دیکھا ہے نشیمن کی طرح

O

چاک دامن کو جو دیکھا تو ملا عید کا چاند
اپنی تصویر کہاں بھول گیا عید کا چاند

اُن کے ابروئے خمیدہ کی طرح تیکھا ہے
اپنی آنکھوں میں بڑی دیر چُبھا عید کا چاند

جانے کیوں آپ کے رُخسار مہک اٹھتے ہیں
جب کبھی کان میں چپکے سے کہا عید کا چاند

دُور ویران بسیرے میں دیا ہو جیسے
غم کی دیوار سے دیکھا تو لگا عید کا چاند

لے کے حالات کے صحراؤں میں آ جاتا ہے
آج بھی خلد کی رنگین فضا عید کا چاند

تلخیاں بڑھ گئیں جب زیست کے پیمانے میں
گھول کر درد کے ماروں نے پیا عید کا چاند

چشم تو وسعتِ افلاک میں کھوئی ساغرؔ
دِل نے اک اور جگہ ڈھونڈ لیا عید کا چاند

O

ہنس نہیں سکتے شگوفے تازگی سے رُوٹھ کر
ہم زمانے میں جیئے ہیں زندگی سے رُوٹھ کر

زُلفِ جاناں سے ملی فکر و نظر کی چاندنی
ظلمتیں ہم نے نکھاریں روشنی سے رُوٹھ کر

خود منانے کے لیے آئے مجھے دَیر و حرم
سجدہء الہام پایا بندگی سے رُوٹھ کر

غم سے رونق ہو گئی کا شانہء تقدیر میں
مُطمئن ہے دل کی دُنیا ہر خوشی سے رُوٹھ کر

ایک دن ساقی یہی ٹوٹے ہوئے جام و سُبو!
میکدے ترتیب دیں گے تشنگی سے رُوٹھ کر

سوچتے ہیں حسرتوں کے موڑ پر شام و سحر
جائیں گے ساغر کہاں اُن کی گلی سے رُوٹھ کر

O

ہم بڑی دُور سے آئے ہیں تمہاری خاطر
دل کے ارمان بھی لائے ہیں تمہاری خاطر

ایسا اک سنگ جو تالیفِ رہِ منزل ہو
منزلوں ڈھونڈ کے آئے ہیں تمہاری خاطر

کتنی ناکام اُمیدوں کا دیے پچھلے پہر
ہم نے دریا میں بہائے ہیں تمہاری خاطر

عہدِ روشن کے سُخنور نہ بُھلائیں گے کبھی
ہم نے وہ سحر جگائے ہیں تمہاری خاطر

ہم نہ چاہئیں گے کبھی تختِ جَم و خسرو کے
ہم نے ارمان لٹائے ہیں تمہاری خاطر

ہم وہاں تھے کہ جہاں ساغر و ساقی تھے مُدام
دوستو! لوٹ کے آئے ہیں تمہاری خاطر

O

قریب دار کٹا دِن تو رات کانٹوں پر
گزار دی ہے کسی نے حیات کانٹوں پر

تغیّرات سے افزوں ہے ارتقاءَ کا مزاج
مِلا ہے گُل کو چمن میں ثبات کانٹوں پر

بَلا سے دامنِ ہستی جو تار تار ہوا !
مرے جنوں نے لگائی ہے گھات کانٹوں پر

چٹک رہے ہیں شگوفے تمہاری یادوں کے
سجی ہے شبنم و گُل کی بَرات کانٹوں پر

یہ اور بات ہے پھولوں کا ذکر تھا ساغرؔ
کہ اتفاق سے پہنچی ہے بات کانٹوں پر

O

پھول چاہے تھے مگر ہاتھ میں آئے پتھر!
ہم نے آغوشِ محبت میں سلائے پتھر!

وحشتِ دل کے تکلف کی ضرورت کے لیے
آج اُس شوخ نے زلفوں میں سجائے پتھر

اُن کے قدموں کے تلے چاند ستارے دیکھے!
اپنی راہوں میں سلگتے ہوئے پائے پتھر!

میں تری یاد کو یوں دل میں لئے پھرتا ہوں
جیسے فرہاد نے سینے سے لگائے پتھر

فکرِ جاناں کے خریدار نہ بھولیں گے کبھی!
میں نے اشکوں کے گہر تھے جو بنائے پتھر

O

خیال ہے کہ بُجھا دوں یہ روشنی کے چراغ
کہ مستیوں نے جلائے ہیں بیخودی کے چراغ

چلو نگاہ کی مِشعل کو ساتھ لے کے چلیں
فرازِ شوق پہ روشن ہیں آگہی کے چراغ

روش روش پہ ہراساں ہیں چاند کی کرنیں
قدم قدم پہ سلگتے ہیں بیکسی کے چراغ

مچل رہے ہیں بہت سانپ آستینوں میں
بھڑک رہے ہیں ابھی شامِ راستی کے چراغ

چمک رہی ہے لڑی موتیوں کی سینے میں
جلائے کسی نے یہ گلہائے شبنمی کے چراغ

اُچھال ساغرِ مئے دل بحال ہوں ساقی
کہ روشنی کو ترستے ہیں زندگی کے چراغ

O

رہگذر کے چراغ ہیں ہم لوگ
آپ اپنا سراغ ہیں ہم لوگ

جل رہے ہیں نہ بُجھ رہے ہیں دوست
کس کے سینے کا داغ ہیں ہم لوگ

خود تہی ہیں مگر پلاتے ہیں
میکدے کے ایاغ ہیں ہم لوگ

دشمنوں کو بھی دوست کہتے ہیں
کتنے عالی دماغ ہیں ہم لوگ

چشمِ تحقیر سے نہ دیکھ ہمیں
دامنوں کا فراغ ہیں ہم لوگ

ایک جھونکا نصیب ہے ساغرؔ
اِس گلی کے چراغ ہیں ہم لوگ

○

کھلتے رہیں گے صحنِ چمن میں ہزار پھول
لیکن کہاں نصیبِ تمنا میں چار پھول

شاید یہیں کہیں ہو ترا نقشِ پائے ناز
ہم نے گرا دیئے ہیں سرِ راہ گزار پھول

بھونروں کو جستجو ہے تری کنج کنج میں
شاخوں پہ کر رہے ہیں ترا انتظار پھول

آوارگانِ شوق چلو ہم کریں تلاش
وہ کارواں جو چھوڑ گیا ہے غبارِ پھول

کانٹوں پہ جی لئے کبھی پھولوں پہ مر لئے
اپنی نظر میں ایک ہیں گلشن میں خار پھول

کھولے ہیں اس نے گیسوئے عنبر فشاں ضرور
کچھ حد سے ہو گئے ہیں سوا مشکبار پھول

ہائے شہیدِ ناز کی تربت کی رونقیں
مدھم سی ایک شمع ہے دو سوگوار پھول

ساغر بہار میں نہ رہی مے کی جستجو!
شیشے میں بھر کے پی گیا ایک بادہ خوار پھول

O

چاندنی اور موتیے کے پھول
کتنے رنگین ہیں زندگی کے اُصول

اپنی زلفیں سمیٹ لیجیے گا
مِل رہا ہے کہانیوں کو طُول

وجہِ تخلیقِ کائنات ہے عشق
واقعے حادثوں سے ہیں منقول

اے غمِ یار! تیری خیر رہے
اے غمِ یار! ہم نہیں ہیں ملُول

میرے دل کی طرح اُداس اُداس
مدتوں سے ہے شام کا معمول

ان کی چتون کو دیکھ کر برہم
بندگی میں گُنہ بھی ہے مشغول

تیرے افکار دل نشین ساغر
تیرے اشعار زندگی کے رسُول

O

لوگ لے لیتے ہیں یونہی شمع پروانے کا نام
کچھ نہیں ہے اس میں جہاں غم کے افسانے کا نام

مِٹ گئی بربادیٔ دل کی شکایت دوستو
اب گلستان رکھ لیا ہے میں نے ویرانے کا نام

شوخیٔ قدِ نگاراں میری صہبا کا وجود
مستیٔ چشم غزالاں میرے پیمانے کا نام

اس کو کہتے ہیں غم تقدیر کی نیلام گاہ
ہے زبانِ تشنگی میں اور میخانے کا نام

دیکھیے! ساغر کی آشفتہ نگاہی کا کمال
مستیاں چھلکا رہا ہے ایک دیوانے کا نام

O

جب گلستاں میں بہاروں کے قدم آتے ہیں
یاد بُھولے ہوئے یاروں کے کرم آتے ہیں

لوگ جس بزم سے آتے ہیں ستارے لے کر
ہم اُسی بزم سے بادیدۂ نم آتے ہیں

میں وہ اک رندِ خرابات ہوں میخانے میں
میرے سجدے کے لیے ساغرِ جم آتے ہیں

متاعِ کوثر و زمزم کے پیمانے تری آنکھیں
فرشتوں کو بنا دیتی ہیں دیوانے تری آنکھیں

جہانِ رنگ و بو الجھا ہوا ہے ان کے ڈوروں میں
لگی ہیں کاکلِ تقدیر سلجھانے تری آنکھیں

اشاروں سے دلوں کو چھیڑ کر اقرار کرتی ہیں
لٹاتی ہیں بہارِ نو کے نذرانے تری آنکھیں

وہ دیوانے زمامِ لالہ و گل تھام لیتے ہیں
جنہیں منسوب کر دیتی ہیں ویرانے تری آنکھیں

شگوفوں کو شراروں کا مچلتا روپ دیتی ہیں
حقیقت کو بنا دیتی ہیں افسانے تری آنکھیں

O

گلوں کے اشارے دعا کر رہے ہیں
چمن کے نظارے دعا کر رہے ہیں

انہیں شب کی تاریکیوں کا الم ہے
چمک کر ستارے دعا کر رہے ہیں

شکستہ سفینوں کو مضبوط کر دے
شگفتہ کنارے دعا کر رہے ہیں

ہمیں صبر شبیرؑ سے آشنا کر
کہ اشکوں کے دھارے دعا کر رہے ہیں

رہائی اسیروں کی ہو یا محمدؐ!
فدائی تمہارے دعا کر رہے ہیں

O

ایک وعدہ ہے کسی کا جو وفا ہوتا نہیں
ورنہ ان تاروں بھری راتوں میں کیا ہوتا نہیں

جی میں آتا ہے الٹ دیں ان کے چہرے سے نقاب
حوصلہ کرتے ہیں لیکن حوصلہ ہوتا نہیں!

شمع جس کی آبرو پر جان دیدے جھوم کر
وہ پتنگا جل تو جاتا ہے فنا ہوتا نہیں

اب تو مدت سے رہ و رسم نظارہ بند ہے
اب تو اُن کا طور پر بھی سامنا ہوتا نہیں

ہر بھکاری پا نہیں سکتا مقامِ خواجگی
ہر کس و ناکس کو تیرا غم عطا ہوتا نہیں

ہر شناور کو نہیں ملتا تلاطم سے خراج
ہر سفینے کا محافظ، ناخُدا ہوتا نہیں

بارہا! دیکھا ہے ساغر رہگزر عشق میں
کارواں کے ساتھ اکثر رہنما ہوتا نہیں

O

وَقارِ انجمن ہم سے فروغِ انجمن ہم ہیں
سکوتِ شب سے پوچھو صبح کی پہلی کرن ہم ہیں

ہمیں سے گلستاں کی بجلیوں کو خاص نسبت ہے
بہاریں جانتی ہیں رونقِ صحنِ چمن ہم ہیں

زمانے کو نہ دے الزام اے ناواقفِ منزل
زمانے کی نظر ہم ہیں زمانے کا چلن ہم ہیں

قریب و دُور کی باتیں نظر کا وہم ہیں پیارے
یقینِ رہنما ہم سے فسُونِ راہزن ہم ہیں

طلوعِ آفتابِ نو ہمارے نام پر ہوگا
وہ جن کی خاک کے ذرّے ہیں خورشیدِ وطن ہم ہیں

بہر صورت ہماری ذات سے ہیں سلسلے سارے
جنُوں کی سادگی ہم ہیں خِرد کا بانکپن ہم ہیں

ہمارے ہاتھ میں ہے ساغر ذرا ادھر دیکھو
ادھر دیکھو! حرفِ گردشِ چرخِ کُہن ہم ہیں

O

تاروں سے میرا جام بھرو! میں نشے میں ہوں
اے ساکنانِ خُلد سنو! میں نشے میں ہوں

کچھ پھول کھل رہے ہیں سرِ شاخِ میکدہ
تم ہی ذرا یہ پھول چنو! میں نشے میں ہوں

ٹھہرو! ابھی تو صبح کا تارا ہے ضُوفشاں
دیکھو مجھے فریب نہ دو میں نشے میں ہوں

نشہ تو موت ہے غمِ ہستی کی دھوپ میں
بکھرا کے زلف ساتھ چلو! میں نشے میں ہوں

میلہ یُونہی رہے یہ سرِ رہگذار زیست
اب جام سامنے ہی رکھو میں نشے میں ہوں

پائل چھنک رہی ہے نگارِ خیال کی
کچھ اہتمامِ رقص کرو! میں نشے میں ہوں

میں ڈگمگا رہا ہوں بیابانِ ہوش میں
میرے ابھی قریب رہو میں نشے میں ہوں

ہے صرف اک تبسّمِ رنگیں بہت مجھے
ساغر بدوش لالہ رُخو! میں نشے میں ہوں

O

ترے غم کی تلاوت کر رہے ہیں
ستاروں سے شکایت کر رہے ہیں

جنوں کے تجربوں کی نگہداری
بہ اندازِ فراست کر رہے ہیں

ترے شانوں پہ تابندہ نشاطے
بہاروں کی سخاوت کر رہے ہیں

نہ دے تہمت ہمیں مدہوشیوں کی
ذرا پی کر عبادت کر رہے ہیں

سحر کے بعد بھی شمعیں جلاؤ!
کہ پروانے شرارت کر رہے ہیں

خداوندانِ گلشن! یہ شگوفے
بہاروں سے بغاوت کر رہے ہیں

مرتّب غم کے افسانوں کو ساغر
بہ اندازِ حکایت کر رہے ہیں

O

بزرگوں کی دعائیں مِل رہی ہیں
محبت کو سزائیں مل رہی ہیں

فروزاں ہیں تمہارے غم کے دیپک
بڑی روشن فضائیں مل رہی ہیں

حسین گیسو ہیں شانوں پر پریشاں
گلے اُن کے گھٹائیں مِل رہی ہیں

شعورِ بزم تک جن کو نہیں ہے
اُنہیں رنگیں ادائیں مِل رہی ہیں

تِرا آنچل ہوا میں اُڑ رہا ہے
ترانوں کو نوائیں مل رہی ہیں

چلو بادہ کشوں میں تیرہ بختو!
ستاروں کو ضیائیں مل رہی ہیں

وفاؤں کا صِلہ ساغرؔ وطن میں
بہت ارزاں جفائیں مل رہی ہیں

○

غم کے مُجرم خوشی کے مُجرم ہیں
لوگ اب زندگی کے مُجرم ہیں

اور کوئی گناہ یاد نہیں!
سجدۂ بے خودی کے مُجرم ہیں

استغاثہ ہے راہ و منزل کا!
راہزن رہبری کے مُجرم ہیں

مے کدے میں یہ شور کیسا ہے؟
بادہ کش بندگی کے مُجرم ہیں

دُشمنی آپ کی عنایت ہے
ہم فقط دوستی کے مُجرم ہیں

ہم فقیروں کی صورتوں پہ نہ جا!
خدمتِ آدمی کے مُجرم ہیں!

کچھ غزالانِ آگہی ساغرؔ
نغمہ و شاعری کے مُجرم ہیں

O

متاعِ دل سے خالی ہو گئے ہیں
ترے دَر کے سوالی ہو گئے ہیں

نظر مجروح نظاروں سے دیکھی
حوادث کچھ خیالی ہو گئے ہیں!

چلو اے بُلبُلو اس گلستاں سے
یہاں صیّاد مالی ہو گئے ہیں

تمہارے گیسوؤں کی تیرگی سے
اندھیرے بھی جمالی ہو گئے ہیں!

ہمارے داغِ دل کے ترجماں ہیں
سِتارے میرؔ و حالیؔ ہو گئے ہیں!

ہزاروں وَلوَلے ساغرؔ چمن میں
خزاں کی خشک ڈالی ہو گئے ہیں

O

تیرے دامن کی ہوا مانگتے ہیں
ہم بھی جینے کی دُعا مانگتے ہیں

مُطرِبو کوئی اَچھوتا نغمہ
ساز آہنگ و صدا مانگتے ہیں

صحنِ کعبہ کے پُجاری مچلے
آستینوں میں خُدا مانگتے ہیں!

ماہ و انجم کے جھروکے اکثر
کس کے عارض کی ضیاء مانگتے ہیں

پھر پتنگوں میں خدائی جاگی
شعلہ حشر نما مانگتے ہیں

بندہ پرور کوئی خیرات نہیں
ہم وفاؤں کا صِلہ مانگتے ہیں

میکدہ ہو کہ کلیسا ساغرؔ
ساری دنیا کا بھلا مانگتے ہیں

O

ہے دُعا یاد مگر حرفِ دُعا یاد نہیں
میرے نغمات کو اندازِ نوا یاد نہیں

ہم نے جن کے لیے راہوں میں بچھایا تھا لہُو
ہم سے کہتے ہیں وہی عہدِ وفا یاد نہیں

زندگی جبر مسلسل کی طرح کاٹی ہے
جانے کس جُرم کی پائی ہے سزا یاد نہیں

میں نے پلکوں سے درِ یار پہ دستک دی ہے
میں وہ سائل ہوں جسے کوئی صدا یاد نہیں

کیسے بھر آئیں سرِ شام کسی کی آنکھیں
کیسے تھرّائی چراغوں کی ضیاء یاد نہیں

صرف دُھندلائے ستاروں کی چمک دیکھی ہے
کب ہُوا کون ہوا مجھ سے خفا یاد نہیں

آؤ اک سجدہ کریں عالمِ مدہوشی میں
لوگ کہتے ہیں کہ ساغرؔ کو خُدا یاد نہیں

O

چُھپائے دل میں غموں کا جہان بیٹھے ہیں
تمہاری بزم میں ہم بے زبان بیٹھے ہیں

یہ اور بات کہ منزل پہ ہم پہنچ نہ سکے
مگر یہ کم ہے کہ راہوں کو چھان بیٹھے ہیں

فغاں ہے' درد ہے' سوز و فراق و داغ الم
ابھی تو گھر میں بہت مہربان بیٹھے ہیں

اب اور گردشِ تقدیر کیا ستائے گی
لُٹا کے عشق میں نام و نشان بیٹھے ہیں

وہ ایک لفظ محبت ہی دل کا دُشمن ہے
جِسے شریعتِ احساس مان بیٹھے ہیں

ہے میکدے کی بہاروں سے دوستی ساغر
ورائے حدِ یقین و گمان بیٹھے ہیں

O

کچھ لوگ بجھا کر کانٹوں کو گلشن کی توقع رکھتے ہیں
شعلوں کو ہوائیں دے دے کر ساون کی توقع رکھتے ہیں

ماحول کے تپتے صحرا سے حالات کی اُجڑی شاخوں سے
ہم اہلِ جنوں پھولوں سے بھرے دامن کی توقع رکھتے ہیں

جب سارا اثاثہ لُٹ جائے تسکینِ سفر ہو جاتی ہے
ہم راہنماؤں کے بدلے رہزن کی توقع رکھتے ہیں

سنگین چٹانوں سے دل کے دُکھنے کی شکایت کرتے ہیں
ظلمت کے نگر میں نُورانی آنگن کی توقع رکھتے ہیں

وہ گیسوئے جاناں ہوں ساغرؔ یا گردشِ دوراں کے سائے
اے وائے مقدر دونوں سے اُلجھن کی توقع رکھتے ہیں

O

دستور یہاں بھی گونگے ہیں فرمان یہاں بھی اندھے ہیں
اے دوست خُدا کا نام نہ لے ایمان یہاں بھی اندھے ہیں

تقدیر کے کالے کمبل میں عظمت کے فسانے لپٹے ہیں
مضمون یہاں بھی بہرے ہیں عنوان یہاں بھی اندھے ہیں

زردار توقع رکھتا ہے نادار کی گاڑھی محنت پر
مزدُور یہاں بھی دیوانے ذیشان یہاں بھی اندھے ہیں

کچھ لوگ بھروسہ کرتے ہیں تسبیح کے چلتے دانوں پر
بےچین یہاں یزداں کا جنوں انسان یہاں بھی اندھے ہیں

بے نام جفا کی راہوں پر کچھ خاک سی اُڑتی دیکھی ہے
حیراں ہیں دلوں کے آئینے نادان یہاں بھی اندھے ہیں

بے رنگ شفق سی ڈھلتی ہے بے نُور سویرے ہوتے ہیں
شاعر کا تصور بھوکا ہے سلطان یہاں بھی اندھے ہیں

O

تری دُنیا میں یارب زیست کے سامان جلتے ہیں
فریبِ زندگی کی آگ میں انسان جلتے ہیں

دِلوں میں عظمتِ توحید کے دیپک فسُردہ ہیں
جبینوں پر ریا و کبر کے فرمان جلتے ہیں

ہوس کی باریابی ہے خرد مندوں کی محفل میں
روپہلی ٹکلیوں کی اوٹ میں ایمان جلتے ہیں

حوادث رقص فرما ہیں قیامت مسکراتی ہے
سُنا ہے ناخُدا کے نام سے طوفان جلتے ہیں

شگوفے جھولتے ہیں اس چمن میں بھوک کے جُھولے
بہاروں میں نشیمن تو بہر عنوان جلتے ہیں

کہیں پازیب کی چھن چھن میں مجبوری تڑپتی ہے
ریا دم توڑ دیتی ہے، سنہرے دان جلتے ہیں

مناوَ جشنِ مے نوشی بکھیرو زلفِ مے خانہ
عبادت سے تو ساغر دہر کے شیطان جلتے ہیں

○

پھول جلتے ہیں ہار جلتے ہیں
چاندنی کے مزار جلتے ہیں

اے مصوّر! یہ کیا تماشا ہے
رنگ سے شاہکار جلتے ہیں

مدتوں سے ہے سرد مے خانہ
دیر سے مے گسار جلتے ہیں

کچھ چھلکے چراغ کی لَو پر
کتنے بے اختیار جلتے ہیں

تیرے آنچل کی شوخ چھاؤں میں
بے خودی کے دیار جلتے ہیں

رو گئے بے قرار کاگل کو
دیکھئے! لالہ زار جلتے ہیں

فکرِ ساغرؔ کی گرمیاں مت پوچھ
اِس چِتا میں نگار جلتے ہیں

O

جھوم کر گاؤ مَیں شرابی ہوں
رقص فرماؤ! میں شرابی ہوں

ایک سجدہ بنامِ مے خانہ
دوستو آؤ! میں شرابی ہوں

لوگ کہتے ہیں رات بیت چکی
مُجھ کو سمجھاؤ! میں شرابی ہوں

آج ان ریشمی گھٹاؤں کو
یُوں نہ بکھراؤ! میں شرابی ہوں

حادثے روز ہوتے رہتے ہیں
بُھول بھی جاؤ! میں شرابی ہوں

مُجھ پہ ظاہر ہے آپ کا باطن
مُنہ نہ کھلواؤ! میں شرابی ہوں

O

چاندنی کو رسُول کہتا ہوں
بات کو بااُصول کہتا ہوں

جگمگاتے ہوئے ستاروں کو
تیرے پاؤں کی دُھول کہتا ہوں

جو چمن کی حیات کو ڈس لے
اس کلی کو ببول کہتا ہوں

اِتفاقاً تمہارے ملنے کو!
زندگی کا حصُول کہتا ہوں

آپ کی سانولی سی مُورت کو
ذوقِ یزداں کی بھُول کہتا ہوں

جب میسر ہوں ساغر و مینا
برق پاروں کو پھُول کہتا ہوں
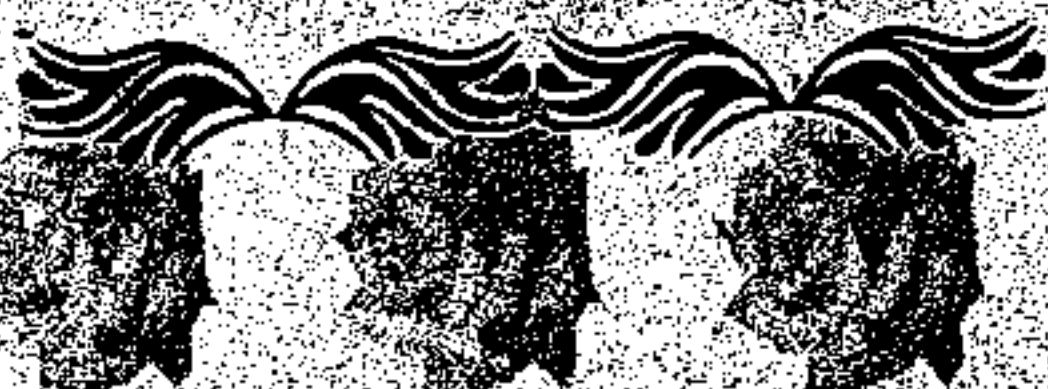
مُسکراؤ! بہار کے دن ہیں
گُل کِھلاؤ! بہار کے دن ہیں

دُخترانِ چمن کے قدموں پر
سر جھکاؤ! بہار کے دن ہیں

مے نہیں ہے تو اشکِ غم ہی سہی
پی بھی جاؤ! بہار کے دن ہیں

تم گئے رَونقِ بہار گئی!
تم نہ جاؤ بہار کے دن ہیں!

ہاں! کوئی واردات ساغؔر وہ سے
کچھ سناؤ! بہار کے دن ہیں!

آوارگی برنگِ تماشا بُری نہیں
ذوقِ نظر ملے تو یہ دُنیا بُری نہیں

کہتے ہیں تیری زلفِ پریشاں کو زندگی
اے دوست! زندگی کی تمنا بری نہیں

ہے نا خدا کا میری تباہی سے واسطہ
میں جانتا ہوں نیّتِ دریا بُری نہیں

ذوقِ جنوں کے ساتھ ہے بیداریٔ خرد
شبنم کے ساتھ گرمیٔ شعلہ بُری نہیں

اس رہزنِ حیات زمانے سے دُور چل
مر بھی گئے تو چادرِ صحرا بُری نہیں

ساغرؔ کے ساتھ چل کے کبھی میکدے میں سُن
اتنی حدیثِ بادہ و صہبا بُری نہیں

○

اشکِ رواں نہیں ہیں ندامت کے پھول ہیں
رُوٹھے ہوئے بہار سے رحمت کے پھول ہیں

ہیں داغہائے دِل کی شبہات لیے ہوئے
شاعر! یہی وہ باغِ محبت کے پھول ہیں

ڈسنے لگی ہیں شاخِ تمنا کی کونپلیں
رسوائیوں کے خارِ معیشت کے پھول ہیں

رقصاں ہیں رنگ رنگ خیابانِ زندگی
پنہاں کہانیوں میں حقیقت کے پھول ہیں

دیوانگانِ کاکلِ ساقی سے مانگئے
وحشت کی وادیوں میں فراست کے پھول ہیں

ایوانِ گلفشاں کے مکینو ذرا سنو!
ان جھونپڑوں میں بھی کہیں فطرت کے پھول ہیں

کہتے ہوئے سنے ہیں سخن آشنائے وقت
ساغر کے شعر بزمِ لطافت کے پھول ہیں

○

نہ کشتیوں نہ کناروں کا احترام کرو
فقط بھنور کے اشاروں کا احترام کرو

یہیں سے گزرے گا اِک روز کاروانِ بہار
فسردہ راہگذاروں کا احترام کرو

جو ہو سکے تو بدل دو نوشتۂ تقدیر
نہ ہو سکے تو ستاروں کا احترام کرو

خزاں کی گود میں بھی پھول مسکرا اٹھیں
کچھ اس طرح سے بہاروں کا احترام کرو

نشاط و کیف کی دنیا میں جھومنے والو
کبھی تو اجڑے دیاروں کا احترام کرو

یہی ہے ذوقِ عبادت کی انتہا ساغر
غمِ حیات کے ماروں کا احترام کرو

O

تہذیبِ بے نقاب کی آنکھیں نکال دو
اس قوم کے شباب کی آنکھیں نکال دو

جس کی صدا نے وقت کو بیدار کر دیا
اس صاحبِ کتاب کی آنکھیں نکال دو

اب منزلِ وفا کی ضرورت نہیں رہی
ہر عزمِ کامیاب کی آنکھیں نکال دو

جس نے سماعتوں کو دیا درسِ بے خودی
اس نغمۂ رباب کی آنکھیں نکال دو

جس میں نہ ہو بصیرتِ انساں کی چاندنی
اس شیشۂ شراب کی آنکھیں نکال دو

مخمور گیسوؤں کی گھٹاؤں کا وزن ہے
پُرنور مہتاب کی آنکھیں نکال دو

ساغر نکھر سکے نہ جہانِ نکہتِ خودی
اس قریۂ گلاب کی آنکھیں نکال دو

O

وہ بلائیں تو کیا تماشا ہو
ہم نہ جائیں تو کیا تماشا ہو

یہ کناروں سے کھیلنے والے
ڈوب جائیں تو کیا تماشا ہو

بندہ پرور! جو ہم پہ گزری ہے
ہم بتائیں تو کیا تماشا ہو

آج ہم بھی تیری وفاؤں پر
مسکرائیں تو کیا تماشا ہو

تیری صورت جو اتفاق سے ہم
بھول جائیں تو کیا تماشا ہو

وقت کی چند ساعتیں ساغرؔ
لوٹ آئیں تو کیا تماشا ہو

O

جذبۂ سوزِ طلب کو بیکراں کرتے چلو
ذرّے ذرّے کو چراغِ کارواں کرتے چلو

چشمِ ساقی پر تبسّم میکدہ بہکا ہوا
آؤ قسمت کو حریفِ کہکشاں کرتے چلو

جن سے زندہ ہو یقین و آگہی کی آبرو
عشق کی راہوں میں کچھ ایسے گماں کرتے چلو

زندگی کو لوگ کہتے ہیں برائے بندگی
زندگی لٹ جائے گی ذکرِ بتاں کرتے چلو

ہر نفس اے جینے والو! شغلِ پیمانہ رہے
بے خودی کو زندگی کا پاسباں کرتے چلو

طور پر موقوف کیوں ہو ہر تجلّی کی جھلک
ٹوٹے پھوٹے جھونپڑے جلوہ فشاں کرتے چلو

چھیڑ کر ساغر کسی کے گیسوؤں کی داستاں
لالہ و گل کو ذرا شعلہ زباں کرتے چلو

O

جب سے دیکھا پری جمالوں کو
موت ہی آ گئی خیالوں کو!

دیکھ تشنہ لبی کی بات نہ کر
آگ لگ جائے گی پیالوں کو!

پھر اُفق سے کسی نے دیکھا ہے
مُسکرا کر خراب حالوں کو!

فیض پہنچا ہے بارہا ساقی
تیرے مستوں سے ان شوالوں کو!

دونوں عالم پہ سرفرازی کا
ناز ہے تیرے پائمالوں کو

ان اندھیروں کے عہد میں ساغر
کیا کرے گا کوئی اُجالوں کو

O

پُوچھا کسی نے حال کسی کا تو رو دیئے
پانی میں عکس چاند کا دیکھا تو رو دیئے

نغمہ کسی نے ساز پہ چھیڑا تو ہنس پڑے
غنچہ کِسی نے شاخ سے توڑا تو رو دیئے

اُڑتا ہوا غُبار سرِ راہ دیکھ کر
انجام ہم نے عشق کا سوچا تو رو دیئے

بادل فضا میں آپ کی تصویر بن گئے
شاید کوئی خیال آپ کے گزرا تو رو دیئے

رنگِ شفق سے آگ شگوفوں میں لگ گئی
ساغر ہمارے ہاتھ سے چھلکا تو رو دیئے

کچھ حرفِ التجا تھے دعاؤں سے ڈر گئے
ارمان بندگی کے خداؤں سے ڈر گئے

اب کون دیکھتا ہے ترے شمس کی طرف
سورج مکھی کے پھول شعاؤں سے ڈر گئے

ہنس کر جو جھیلتے تھے زمانے کی تلخیاں
اے چشمِ یار! تیری اداؤں سے ڈر گئے

رنگین فضا میں جل گئیں خاموش تتلیاں
آنچل اڑے تو پھول ہواؤں سے ڈر گئے

آہوں کو اعتبارِ سماعت سمجھ لیا
نغموں کی بے قرار صداؤں سے ڈر گئے

ساقی نے مسکرا کے گلے سے لگا لئے
وہ آدمی جو اپنی خطاؤں سے ڈر گئے

تشنہ لبی نے ساغر و مینا کو ڈس لیا
زلفوں کی مست مست گھٹاؤں سے ڈر گئے

O

کچھ علاجِ وحشتِ اہلِ نظر بھی چاہیے
ایک پتھر بر دُکانِ شیشہ گر بھی چاہیے

نامکمل ہے سقوطِ کارواں کی داستاں
اس میں تھوڑا سا بیان راہبر بھی چاہیے

جن کے دامن میں دعاؤں کے سوا کچھ بھی نہیں
ان غریبوں کی دعاؤں میں اثر بھی چاہیے

گلستانِ آرزو کے انقلابی دور میں
ایک جشنِ موسمِ برق و شرر بھی چاہیے

جو لگا دیتے ہیں قصرِ زندگی میں آگ سی
ایسے شعلوں کے لیے اک اشکِ تر بھی چاہیے

پھر انہی انگڑائیوں میں حشر کے سامان ہوں
بزمِ جاناں میں کوئی آشفتہ سر بھی چاہیے

ہوں نہ ساغرؔ جس میں سنگِ میل کی پابندیاں
منزلوں تک ایک ایسی رہگذر بھی چاہیے

O

غنچے فضائے نَو میں گرفتار ہو گئے
کچھ پھول اپنے رنگ سے بیزار ہو گئے

کتنے تصورات ہواؤں میں اُڑ گئے
کتنے خیال سایۂ دیوار ہو گئے

شبلی کا پھول جذبۂ منصور کی صدا
راہِ وفا میں تیغ کی جھنکار ہو گئے

ڈھلتی رہیں شعور میں تاروں کی تابشیں
اک جام پی کے صاحبِ اسرار ہو گئے

ہم بیکسوں کا چاند کی کرنوں سے واسطہ
زُلفوں کو چُھو لیا تو خطاوار ہو گئے

دل کی چبھن نے کیفِ تمنا بڑھا دیا
کانٹے بھی آج صورتِ گلزار ہو گئے

پروانے بن گئے ہیں چنبیلی کی نکہتیں
کیا! دیکھنا کہ صبح کے آثار ہو گئے

ساغرؔ کا بجلیوں نے سماں اور کر دیا
ہم ظلمتوں سے کھیل کے انوار ہو گئے

O

ہر شے ہے پُر ملال بڑی تیز دُھوپ ہے
ہر لب پہ ہے سوال بڑی تیز دُھوپ ہے

چکرا کے گر نہ جاؤں میں اس تیز دُھوپ میں
مجھ کو ذرا سنبھال بڑی تیز دُھوپ ہے

دے حکم بادلوں کو خیاباں نشیں ہوں
جام و سبُو اُچھال بڑی تیز دُھوپ ہے

ممکن ہے ابرِ رحمتِ یزداں برس پڑے
زلفوں کی چھاؤں ڈال بڑی تیز دُھوپ ہے

اَب شہرِ آرزو میں وہ رعنائیاں کہاں
ہیں گُل کدے نڈھال بڑی تیز دُھوپ ہے

سمجھی ہے جس کو سایۂ امید عقلِ خام
ساغرؔ کا ہے خیال بڑی تیز دُھوپ ہے

O

موجِ در موج کناروں کو سزا ملتی ہے
کوئی ڈوبے تو سہاروں کو سزا ملتی ہے

میکدے سے جو نکلتا ہے کوئی بے نشہ
چشمِ ساقی کے اشاروں کو سزا ملتی ہے

آپ کی زلفِ پریشاں کا تصور توبہ
نکہت و نور کے دھاروں کو سزا ملتی ہے

جب وہ دانتوں میں دباتے ہیں گلابی آنچل
کتنے پر کیف نظاروں کو سزا ملتی ہے

میرے پیمانے میں ڈھل جاتا ہے پھولوں کا شباب
میرے ساغر میں بہاروں کو سزا ملتی ہے

O

دِلوں کو اُجالو! سحر ہو گئی ہے

نگاہیں مِلا لو! سحر ہو گئی ہے

اُٹھو کشتیِ زیست کو ظلمتوں کے

بھنور سے نکالو! سحر ہو گئی ہے

سنوارو یہ زلفیں کہ شب کٹ چکی ہے

یہ آنچل سنبھالو! سحر ہو گئی ہے

شکستہ اُمیدوں کی پُروائیوں کو

گلے سے لگالو! سحر ہو گئی ہے

پگھلنے لگا ہے ضمیرِ مشیت

اُٹھو سونے والو! سحر ہو گئی ہے

بہاروں کے ساغر سے اے مہ جمالو!

ضیائیں اُچھالو! سحر ہو گئی ہے

وہ عزم ہو کہ منزلِ بیدار ہنس پڑے
ہر نقشِ پا پہ جراتِ رہوار ہنس پڑے

اب کے برس بہار کی صُورت بدل گئی
زخموں میں آگ لگ گئی گلزار ہنس پڑے

اُس داستانِ درد کی تمہید آپ ہیں
جس داستانِ درد پہ غمخوار ہنس پڑے

حیران ہو رہی ہے شگوفے پہ چاندنی
شاید قفس پہ آج گرفتار ہنس پڑے

مِٹ جائے تیرے نام سے ہر تلخیٔ جفا
وُہ کام کر کہ بے کس و نادار ہنس پڑے

میرے جنوں نے آج وہ سجدہ ادا کیا
بُت خانہء حیات کے آثار ہنس پڑے

پھر شادماں ہوئے ہیں خرابے حیات کے
ساغر کسی کے گیسوئے خم دار ہنس پڑے

ساقی کی اک نگاہ کے افسانے بن گئے
کچھ پھول ٹوٹ کر مرے پیمانے بن گئے

کاٹی جہاں تصورِ جاناں میں ایک شب
کہتے ہیں لوگ اس جگہ بُت خانے بن گئے

جن پر نہ سائے زُلفِ غزالاں کے پڑ سکے
احساس کی نگاہ میں ویرانے بن گئے

جو پی سکے نہ سرخ لبوں کی تجلیاں
دُنیا کے تجربات سے انجانے بن گئے

ساغر وہی مقام ہے اک منزلِ فراز
اپنے بھی جس مقام پہ بیگانے بن گئے

○

گُل ہوئی شمع شبستاں چاند تارے سو گئے
موت کے پہلو میں شامِ غم کے مارے سو گئے

بے قراری میں بھی اکثر دردمندانِ جنوں!
اے فریب آرزو تیرے سہارے سو گئے

کاروبارِ گرمیٔ دوراں کی ٹھنڈی راکھ میں
اے شگوفوں کے خداوندو! شرارے سو گئے

دے رہی ہے آج بھی موجِ حوادث لوریاں
شورشِ طوفاں سے گھبرا کر کنارے سو گئے

جن سے نغمے تھے وفاؤں کے سراپا زندگی
وہ محبت کی تلاوت کے اشارے سو گئے

کیا نہیں معلوم تجھ کو اے مرے مغموم دل!
جن سے نظریں تھیں شگفتہ وہ نظارے سو گئے

جن کے دم سے بزمِ ساغرؔ تھی حریفِ کہکشاں
اے شبِ ہجراں کہاں وہ ماہ پارے سو گئے

O

سوزِ تصوّرات سے تصویر جل گئی
سپنوں میں آگ لگ گئی تعبیر جل گئی

ساقی نے اس ادا سے بکھیری ہیں بجلیاں
پیمانۂ حیات کی تنویر جل گئی

لاشے تڑپ رہے ہیں سرِ مقتلِ وفا
بسمل کا رقص دیکھ کے شمشیر جل گئی

تاثیر آہِ سرد کی صورت پہ ہنس پڑی
آہوں کو یہ گلہ ہے کہ تاثیر جل گئی

O

یا رب ترے جہان کے کیا حال ہو گئے
کچھ لوگ خواہشات کے دلال ہو گئے

تپتی رہی ہے آس کی کرنوں پہ زندگی
لمحے جدائیوں کے مہ و سال ہو گئے

بھولی ہے رنگ رنگ کو دُنیا کی زندگی
نغمے ربابِ وقت کے بے تال ہو گئے

وحشت میں اپنے تارِ گریباں ہی دوستو!
اُلجھے تو ہر قدم پہ گراں جال ہو گئے

ساغر جو گل کھلے تھے وہ غنچے کہاں گئے
ہنگامۂ بہار میں پامال ہو گئے

o

چوٹ کھا کر خود شناس و خود نگر ہو جایئے
کیوں کسی کے عشق میں شوریدہ سر ہو جایئے

آپ دل کے داغ بھی لَو دے اُٹھیں تو کم نہیں
اپنی منزل کے لئے خود راہبر ہو جایئے

چھوڑ دیجئے! عظمتِ یزداں کی جھوٹی داستاں
آج انساں کی نظر میں معتبر ہو جایئے

آپ بھی دو چار قطرے پی کے میرے جام کے
اہلِ دل اہلِ وفا اہلِ نظر ہو جایئے

صرف طوفاں میں یہی بچنے کی اک تدبیر ہے
جس طرف موجیں اُمڈتی ہوں اُدھر ہو جایئے

پھر ذرا چھلکایئے ساغر مئے دیدار کے
پھر نقابِ رُخ اُلٹ کر جلوہ گر ہو جایئے

O

دُکھ درد کی سوغات ہے دُنیا تری کیا ہے
اشکوں بھری برسات ہے دنیا تری کیا ہے

کچھ لوگ یہاں نورِ سحر ڈھونڈ رہے ہیں
تاریک سی اک رات ہے دُنیا تری کیا ہے

تقدیر کے چہرے کی شکن دیکھ رہا ہوں
آئینہ حالات ہے دُنیا تِری کیا ہے

پابند مشیّت ہے تنفّس بھی نظر بھی
اک جُزئیہ لمحات ہے دُنیا تِری کیا ہے

مجروح تقدّس ہے تقدّس کی حقیقت!
رُودادِ خرابات ہے دُنیا تِری کیا ہے

ساغر میں جھلکتے ہیں سماوات کے اسرار
ساقی کی کرامات ہے دُنیا تری کیا ہے

O

ان بہاروں پہ گلستاں پہ ہنسی آئی ہے
دل کے ہر داغِ فروزاں پہ ہنسی آئی ہے

آج پھر جام تہی اور گھٹا اُٹھی ہے
آج پھر رحمتِ یزداں پہ ہنسی آئی ہے

آپ کی زلفِ پریشاں کے تصور میں ہمیں
بارہا گردشِ دوراں پہ ہنسی آئی ہے

میری بھیگی ہوئی پلکوں کی چھما چھم پہ نہ جا
ترے ٹوٹے ہوئے پیماں پہ ہنسی آئی ہے

جب کبھی بچھڑا ہوا دوست ملا ہے کوئی
مجھ کو اخلاصِ عزیزاں پہ ہنسی آئی ہے

مجھ کو اک زہر کا چھلکا ہوا ساغر دے دو
مجھ کو اس دور کے انساں پہ ہنسی آئی ہے

لا اِک خُم شراب کہ موسم خراب ہے
کر کوئی انقلاب کہ موسم خراب ہے

زُلفوں کو بیخودی کی رِدا میں لپیٹ لے
ساقی پئے شباب کہ موسم خراب ہے

غنچوں کو اعتبارِ طلوعِ چمن نہیں
رُخ سے اُلٹ نقاب کہ موسم خراب ہے

جام و سبُو کے ہوش ٹھکانے نہیں ذرا
مطرب اُٹھا رُباب کہ موسم خراب ہے

اے جاں کوئی تبسمِ رنگیں کی واردات
پھیکا ہے ماہتاب کہ موسم خراب ہے

O

بات پھولوں کی سُنا کرتے تھے
ہم بھی شعر کہا کرتے تھے

مشعلیں لے کے تمہارے غم کی
ہم اندھیروں میں چلا کرتے تھے

اب کہاں ایسی طبیعت والے
چوٹ کھا کر جو دُعا کرتے تھے

ترکِ احساسِ محبت مُشکل
ہاں مگر اہلِ وفا کرتے تھے

بکھری بکھری ہوئی زلفوں والے
قافلے روک لیا کرتے تھے

آج گلشن میں شگوفے ساغر
شکوۂ بادِ صبا کرتے تھے

○

رودادِ محبت کیا کہیے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے
دو دن کی مسرت کیا کہیے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے

جب جام دیا تھا ساقی نے جب دور چلا تھا محفل میں
اک ہوش کی ساعت کیا کہیے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے

اب وقت کے نازک ہونٹوں پر مجروح ترنم رقصاں ہے
بیدادِ مشیت کیا کہیے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے

احساس کے میخانے میں کہاں اب فکر و نظر کی قندیلیں
آلام کی شدت کیا کہیے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے

کچھ حال کے اندھے ساتھی تھے کچھ ماضی کے عیار سجن
احباب کی چاہت کیا کہیے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے

کانٹوں سے بھرا ہے دامن شبنم سے سلگتی ہیں پلکیں
پھولوں کی سخاوت کیا کہیے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے

اب اپنی حقیقت میں ساغرؔ بے ربط کہانی لگتی ہے
دنیا کی حقیقت کیا کہیے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے

○

یاد آ کے رہ گئے ہیں زمانے وفاؤں کے
شعلے جگا کے چل دیئے جھونکے ہواؤں کے

ہر اک قدم پہ تلخیء دوراں کی دھوپ تھی
تھے ہم بھی اس گلی میں طلبگار چھاؤں کے

کرتے رہے جو چاند ستاروں کی رہبری
کچھ لوگ منتظر ہیں اُنہیں رہنماؤں کے

ہر ذہن میں پڑے ہیں تری زلف کے بھنور
ہر دل کی سرزمیں پہ نشاں تیرے پاؤں کے

بے چارگی زیست کا دامن نہ بھر سکا
ہم نے لٹا دیئے ہیں خزانے دعاؤں کے

تجدیدِ ذوقِ ساغر و مینا کی بات کر
بدلے ہوئے ہیں رنگ چمن کی فضاؤں کے

O

اے دوست یہاں ویرانوں کو گلزار سمجھنا پڑتا ہے
کچھ اونچی نیچی راہوں کو ہموار سمجھنا پڑتا ہے
احساس کے اُلٹے پاؤں سے جب چلتے چلتے تھک جائیں
تو راہگذر کو اے راہی دیوار سمجھنا پڑتا ہے
مجروح معیشت کے ہاتھوں انسان کا اب یہ عالم ہے
ہر زخم لگانے والے کو غم خوار سمجھنا پڑتا ہے
جب شاہی قباؤں کی خاطر کچھ جسم برہنہ ہو جائیں
اس وقت غلاموں کو ساغر مختار سمجھنا پڑتا ہے

O

آہن کی سرخ تال پہ ہم رقص کر گئے
تقدیر تیری چال پہ ہم رقص کر گئے

پنچھی بنے تو رفعتِ افلاک پر اُڑے
اہلِ زمیں کے حال پہ ہم رقص کر گئے

کانٹوں سے احتجاج کیا ہے کچھ اس طرح
گلشن کی ڈال ڈال پہ ہم رقص کر گئے

واعظ فریبِ شوق نے ہم کو بھلا لیا
فردوس کے خیال پہ ہم رقص کر گئے

ہر اعتبارِ حسنِ نظر سے گزر گئے
ہر حلقہ ہائے جال پہ ہم رقص کر گئے

مانگا بھی کیا تو قطرۂ چشمِ تصرفات
ساغر ترے سوال پہ ہم رقص کر گئے

○

چشمِ ساقی کی عنایات پہ پابندی ہے
ان دنوں وقت پہ حالات پہ پابندی ہے

بکھری بکھری ہوئی زلفوں کے فسانے چھیڑو!
میکشو! عہدِ خرابات پہ پابندی ہے

دل شکن ہو کے چلے آئے تری محفل سے
تری محفل میں تو ہر بات پہ پابندی ہے

درد اٹھا ہے لہو بن کے چھلکنے کے لیے
آج تک کہتے ہیں جذبات پہ پابندی ہے

ہر تمنا ہے کوئی ڈوبتا لمحہ جیسے
سازِ مغموم ہیں نغمات پہ پابندی ہے

کہکشاں بامِ ثریا کے تلے سوئی ہے
چاند بے رنگ سا ہے رات پہ پابندی ہے

آگ سینوں میں لگی ساغر و مینا چھلکے!
کوئی کہتا تھا کہ برسات پہ پابندی ہے

○

برگشتۂ یزدان سے کچھ بھول ہوئی ہے
بھٹکے ہوئے انسان سے کچھ بھول ہوئی ہے

تارے سے چمک اٹھے ہیں ساقی کی جبیں پر
شاید مرے ایمان سے کچھ بھول ہوئی ہے

تاحدِّ نظر شعلے ہی شعلے ہیں چمن میں
پھولوں کے نگہبان سے کچھ بھول ہوئی ہے

شاخوں پہ چٹکتے ہوئے غنچوں کو مبارک
اس زُلفِ پریشان سے کچھ بھول ہوئی ہے

جس عہد میں لُٹ جائے فقیروں کی کمائی
اُس عہد کے سلطان سے کچھ بھول ہوئی ہے

ہنستے ہیں مری صورت مفتوں پہ شگوفے
مرے دلِ نادان سے کچھ بھول ہوئی ہے

حوروں کی طلب اور مے و ساغر سے ہے نفرت
زاہد ترے عرفان سے کچھ بھول ہوئی ہے

○

جو حادثے یہ جہاں میرے نام کرتا ہے
بڑے خلوص سے دل نذر جام کرتا ہے

ہمیں سے قوس و قزح کو ملی ہے رنگینی
ہمارے دَر پہ زمانہ قیام کرتا ہے

ہمارے چاکِ گریباں سے کھیلنے والو!
ہمیں بہار کا سُورج سلام کرتا ہے

یہ میکدہ ہے یہاں کی ہر ایک شے کا حضور
غمِ حیات بہت احترام کرتا ہے

فقیہہ شہر نے تہمت لگائی ساغرؔ پر
یہ شخص درد کی دولت کو عام کرتا ہے

O

پُھولوں کو آگ لگ گئی نغمات جل گئے
سُورج کی تیز دھوپ میں لمحات جل گئے

ساقی کہ نگہہ کرم ہے تعمیر میکدہ
گیسُو اڑے چراغِ خرابات جل گئے

اب دامنِ حیات میں کچھ بھی نہیں رہا
فردا کی سَرد آگ میں حالات جل گئے

کلیاں چٹک رہی ہیں کہ شاخوں پہ آبلے
غنچوں کی نکہتوں سے مرے ہاتھ جل گئے

اَب کے برس بہار بصیرت کو ڈس گئی
فکر و نظر کے جھومتے باغات جل گئے

ساغر لٹے لٹے ہیں ستارے بجھے بجھے
شاید مرے نصیب کے دن رات جل گئے

O

محبت کے مزاروں تک چلیں گے
ذرا پی لیں ستاروں تک چلیں گے

سُنا ہے یہ بھی رسمِ عاشقی ہے
ہم اپنے غمگساروں تک چلیں گے

چلو تُم بھی سفر اچھا رہے گا
ذرا اُجڑے دیاروں تک چلیں گے

جوان زُلفوں کے پرچم کھول دیجئے
مہکتے لالہ زاروں تک چلیں گے

جنوں کی وادیوں سے پھُول چُن کر
وفا کی راہ گزاروں تک چلیں گے

چلو ساغرؔ کے نغمے ساتھ لے کر
چھلکتے جوئباروں تک چلیں گے

O

بھولی ہوئی صدا ہوں مجھے یاد کیجئے
تم سے کہیں مِلا ہوں مجھے یاد کیجئے

منزل نہیں ہوں، خضر نہیں، راہزن نہیں
منزل کا راستہ ہوں مجھے یاد کیجئے

میری نگاہِ شوق سے ہر گل ہے دیوتا
میں عشق کا خدا ہوں مجھے یاد کیجئے

نغموں کی ابتدا تھی کبھی میرے نام سے
اشکوں کی انتہا ہوں مجھے یاد کیجئے

گم سم کھڑی ہیں دونوں جہاں کی حقیقتیں
میں اُن سے کہہ رہا ہوں مجھے یاد کیجئے

ساغرؔ کسی کے حُسنِ تغافل شعار کی
بہکی ہوئی ادا ہوں مجھے یاد کیجئے

O

چراغِ طور جلاؤ بڑا اندھیرا ہے
ذرا نقاب اٹھاؤ بڑا اندھیرا ہے

وہ جن کے ہوتے ہیں خورشید آستینوں میں
انہیں کہیں سے بلاؤ بڑا اندھیرا ہے

مجھے تمہاری نگاہوں پہ اعتماد نہیں
میرے قریب نہ آؤ بڑا اندھیرا ہے

فرازِ عرش سے ٹوٹا ہوا کوئی تارا
کہیں سے ڈھونڈ کے لاؤ بڑا اندھیرا ہے

ابھی تو صبح کے ماتھے کا رنگ کالا ہے
ابھی قریب نہ آؤ بڑا اندھیرا ہے

بصیرتوں پہ اُجالوں کا خوف طاری ہے
مجھے یقین دلاؤ بڑا اندھیرا ہے

جسے زبانِ خرد میں شراب کہتے ہیں
وہ روشنی سی پلاؤ! بڑا اندھیرا ہے

بنامِ زہرہ جبینانِ خطۂ فردوس
کسی کرن کو جگاؤ! بڑا اندھیرا ہے

O

تم نے جو چاہا وہ دُنیا بن گئی
آگ تھی، پھولوں کا گجرا بن گئی

رات کچھ یوں مائلِ نغمہ تھا دل
چاندنی سازِ تمنا بن گئی

میرے جامِ مے سے اڑ کر ایک چھینٹ
صبح کے ماتھے کا قشقہ بن گئی

موج و دریا میں نہیں ہے فرق کچھ
موج لہرائی تو دریا بن گئی

جب کسی صُورت نہ عنواں مل سکا
آرزو بے نام صحرا بن گئی

زندگی کی بات سُن کر کیا کہیں
اِک تمنا تھی تقاضا بن گئی

○

آنکھ روشن ہے جیب خالی ہے
ظلمتوں میں کرن سوالی ہے

حادثے لوریوں کا حاصل ہیں
وقت کی آنکھ لگنے والی ہے

آئینے سے حُضور ہی کی طرح
چشم کا واسطہ خیالی ہے

حُسن پتھر کی ایک مُورت ہے
عشق پھولوں کی ایک ڈالی ہے

موت اک انگبیں کا ساغر ہے
زندگی زہر کی پیالی ہے

○

وقت کی عمر کیا بڑی ہو گی
اِک ترے وصل کی گھڑی ہو گی

دستکیں دے رہی ہے پلکوں پر
کوئی برسات کی جھڑی ہو گی

کیا خبر تھی کہ نوکِ خنجر بھی
پُھول کی ایک پنکھڑی ہو گی

زُلف بل کھا رہی ہے ماتھے پر
چاندنی سے صبا لڑی ہو گی

اے عدم کے مسافرو! ہشیار
راہ میں زندگی کھڑی ہو گی

کیوں گرہ گیسوؤں میں ڈالی ہے
جاں کسی پُھول کی اڑی ہو گی

التجا کا ملال کیا کیجئے
اُن کے در پر کہیں پڑی ہو گی

موت کہتے ہیں جس کو اے ساغرؔ
زندگی کی کوئی کڑی ہو گی

O

کتنے غم کتنے دُکھ اُبھر آئے
تیری یادوں نے پھول مہکائے

کون اُن بے وفا نگاہوں کو
دھڑکنوں کی زبان سمجھائے

تم نے اپنوں کی بات تک نہ سُنی
ہم نے غیروں کے درد اپنائے

اے نگارو! تمہاری بستی میں
راستہ بھول کر نکل آئے

عنبریں گیسوؤں کی الجھن نے
دو جہانوں کے راز اُلجھائے

ہم نے پھولوں کے واسطے ساغرؔ
خار زاروں میں ہاتھ پھیلائے

O

جفا و جور کی دُنیا سنوار دی ہم نے
زہے نصیب کہ ہنس کر گزار دی ہم نے

کلی کلی، ہمیں حیرانیوں سے تکتی ہے
کہ پت جھڑوں میں صدائے بہار دی ہم نے

خیالِ یار کی رنگینیوں میں گم ہو کر
جمالِ یار کی عظمت نکھار دی ہم نے

اُسے نہ جیت سکے گا غمِ زمانہ اب
جو کائنات ترے در پہ ہار دی ہم نے

وُہ زندگی کہ جسے زندگی سے نسبت تھی
تمہاری زلفِ پریشاں پہ وار دی ہم نے

کچھ ایسا سرد ہُوا جذبہء وفا ساغر
خود اپنی ذات کو ہنس ہنس کے خار دی ہم نے

○

حاضر شراب و جام ہیں تو جاگ تو سہی
الطاف خاص و عام ہیں تو جاگ تو سہی

ہیں اختیارِ شوق میں تاروں کی منزلیں
بھٹکے ہوئے مقام ہیں تو جاگ تو سہی

کانٹے بھی ایک چیز ہیں تو دیکھ تو سہی
گل بھی شرارہ فام ہیں تو جاگ تو سہی

ان شب کی ظلمتوں میں کہیں آس پاس ہی
صبحوں کے اہتمام ہیں تو جاگ تو سہی

افسردگی گناہ کی تمثیل ہے ندیم
بے چینیاں حرام ہیں تو جاگ تو سہی

ساغرؔ! قریب تر ہے دیارِ مہ و نجوم
بس اور چند گام ہیں تو جاگ تو سہی

O

حادثے کیا کیا تمہاری بے رُخی سے ہو گئے
ساری دُنیا کے لیے ہم اجنبی سے ہو گئے

گردشِ دوراں، زمانے کی نظر، آنکھوں کی نیند
کتنے دشمن ایک رسمِ دوستی سے ہو گئے

کچھ تمہارے گیسوؤں کی برہمی نے کر دیئے
کچھ اندھیرے میرے گھر میں روشنی سے ہو گئے

یُوں تو ہم آگاہ تھے صیّاد کی تدبیر سے
ہم اسیرِ دامِ گُل اپنی خوشی سے ہو گئے

بندہ پرور! کُھل گیا ہے آستانوں کا بھرم
آشنا کچھ لوگ رازِ بیخودی سے ہو گئے

ہر قدم ساغرؔ! نظر آنے لگی ہیں منزلیں
مرحلے کچھ طے مری آوارگی سے ہو گئے

O

تڑپ کر سوزِ دل کو جلوہ ساماں کر لیا میں نے
بہت بے نور تھی دنیا چراغاں کر لیا میں نے

خُدا رکھے یہ طرزِ جور باقی تم نہ شرماؤ
اب اپنی آرزوؤں کو پشیماں کر لیا میں نے

اُٹھا کر چوم لی ہیں چند مرجھائی ہوئی کلیاں
نہ تم آئے تو یوں جشنِ بہاراں کر لیا میں نے

کسی کے اک تبسم پر اساسِ زندگی رکھ لی
شراروں کو نشیمن کا نگہباں کر لیا میں نے

ابھی تک بے کفن سی ہے مری وحشت کی عُریانی
یہ کس امید پر گھر کو بیاباں کر لیا میں نے

کبھی ساغر بکف میں وجد میں آیا جو لہرا کر
تو اپنے ساتھ دُنیا کو بھی رقصاں کر لیا میں نے

O

مرے چمن میں بہاروں کے پھول مہکیں گے
مجھے یقیں ہے شراروں کے پھول مہکیں گے

کبھی تو دیدۂ نرگس میں روشنی ہوگی
کبھی تو اُجڑے دیاروں کے پھول مہکیں گے

تمہاری زلفِ پریشاں کی آبرو کے لیے
کئی ادا سے چناروں کے پھول مہکیں گے

چمک ہی جائے گی شبنم لہو کی بوندوں سے
روش روش پہ ستاروں کے پھول مہکیں گے

ہزاروں موجِ تمنا صدف اُچھالے گی
طلاطموں سے کناروں کے پھول مہکیں گے

یہ کہہ رہی ہیں فضائیں بہار کی ساغر
جگر فروز اشاروں کے پھول مہکیں گے

O

قیدِ تصوّرات میں مدت گزر گئی
ساقی غمِ حیات میں مدّت گزر گئی

مجھ کو شکستِ جام کے نغموں سے واسطہ
میخانۂ ثبات میں مدت گزر گئی

کچھ بھی نہیں ہے گیسوئے خمدار کے سوا
تفسیرِ کائنات میں مدّت گزر گئی

پابندِ حرفِ دار و رسن داستانِ شوق
عرض و گزارشات میں مدّت گزر گئی

روٹھے تو اور بن گئے تصویرِ التفات
کفِ نوازشات میں مدّت گزر گئی

ہر حادثہ حیات کی رُو داد بن گیا
دنیائے حادثات میں مدت گزر گئی

ساغرؔ کہاں مجال کہ آنکھیں ملائیں ہم
رسوائیاں ہیں گھات میں مدت گزر گئی

O

ہوا مہکی مہکی فضا بھیگی بھیگی
چلو آج مانگیں دعا بھیگی بھیگی

کسی کی بہکتی ہوئی تشنگی نے
بہاروں کو دے دی سزا بھیگی بھیگی

گھٹاؤں کو رحمت کی جوش آ گیا ہے
کوئی ہو گئی ہے خطا بھیگی بھیگی

ذرا صندلیں ہاتھ نزدیک لاؤ
سُلگنے لگی ہے حنا بھیگی بھیگی

حِصارِ تمنا میں دم گھٹ رہا ہے
ذرا چھیڑ مطرب نوا بھیگی بھیگی

احتیاطاً فقر کا ہر مرحلہ کٹتا رہا
اتفاقاً آپ کی خیرات کا دھڑکا رہا

آج پھر شبنم کے قطروں نے بجایا جلترنگ
آج پھر دامن مری آواز کا بھیگا رہا

کوئی آیا ہے نہ آئے گا دلِ ناداں کبھی
میرے دروازے کا پردہ تو سدا ہلتا رہا

رات کی رانی کا جھونکا تھا کسی کی یاد بھی
دیر تک آنگن مِرے احساس کا مہکا رہا

تیز رو چلتے ہیں ساغرؔ قافلے اس نام سے
رہنماؤں سے ہمیشہ راہزن اچھا رہا

مزاجِ شمع میں کچھ ذوقِ پروانہ بھی ہوتا تھا
کسی کا نام اس محفل میں دیوانہ بھی ہوتا تھا

پریشاں حسرتوں کی بے نقابی دیکھنے والو!
اشاروں پر ہمارے رقصِ پروانہ بھی ہوتا تھا

یقینِ زندگی کو معتبر جس نے کیا ساغر
حقیقت کے صحیفوں میں وہ افسانہ بھی ہوتا ہے

جہاں الفت نبھانے کے حسین اقرار ہوتے تھے
قریبِ شہر یارو! ایک ویرانہ بھی ہوتا ہے

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com
Coming Soon
نوجوان شاعر سجاد سمیع کے آنے والے شعری مجموعے
رے دلبر کہاں تم ہو‘‘ سے چنداشعار
ایسا نہیں کرنا
تنہا نہیں کرنا
کی کہانی کا
چرچا نہیں کرنا
دو تم جیسے دلبر
سوچا نہیں کرنا
کے اشک آنکھوں میں
لایا نہیں کرنا
تیری یاد ستائے مجھ کو
شب بھر نیند نہ آئے مجھ کو
گیت کی صورت پیار کی لے میں
کب سجاد وہ گائے مجھ کو
قلم دوست پبلی کیشنز
فورتھ فلور شاپ نمبر 7۔ مسلم سنٹر چیٹر جی روڈ
اردو بازار لاہور
Cell: 0321-4031423